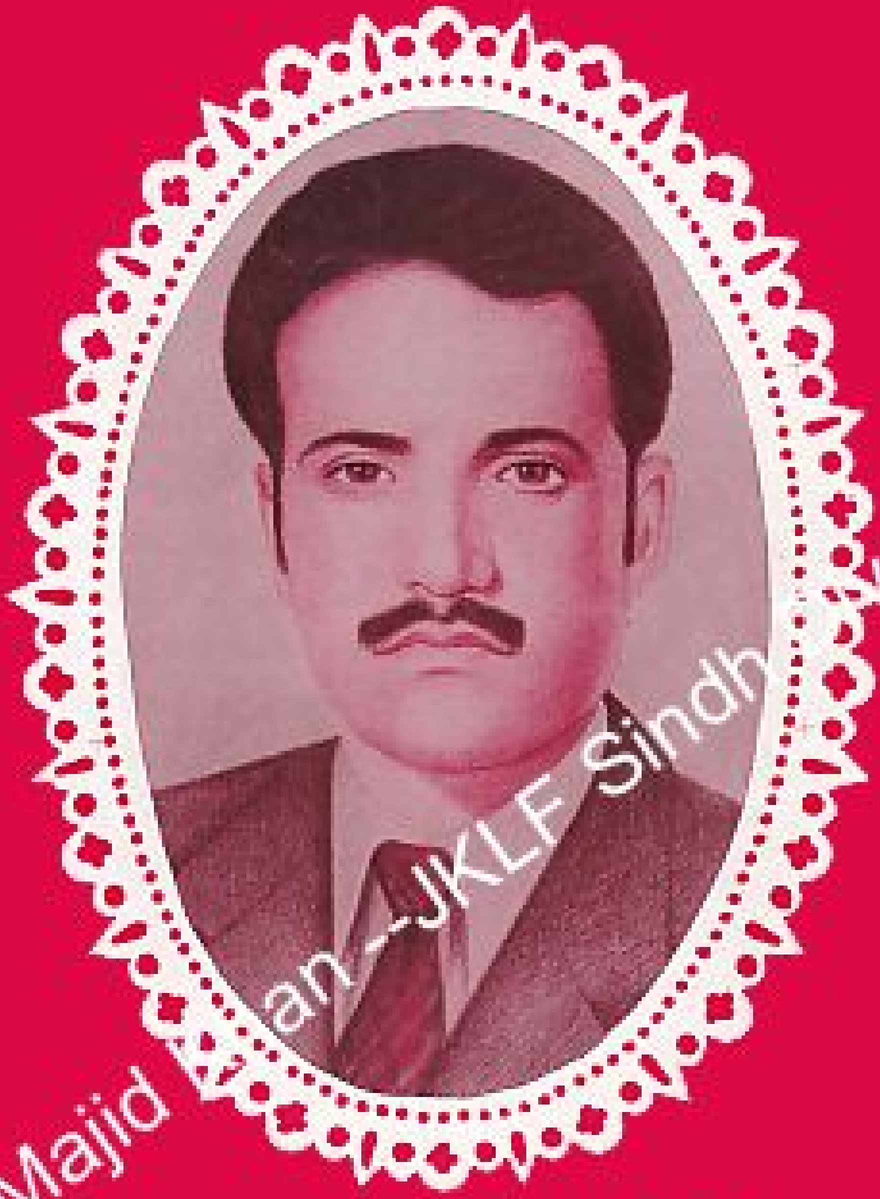

شہید کشمیر مقبول احمد بٹ ؒ

Majid ...an -- JKLF Sindh ...vn.

شہید کشمیر مقبول بٹؒ

اگست 1965ء کے وسط میں پشاور شہر کے ایک پرانے سے مکان میں چار افراد نے دو دن تک ایک انتہائی اہم قومی مسئلے پر غور کر کے ایک اہم فیصلہ کیا اور اس فیصلے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انہوں نے اپنے خون سے حلف اٹھایا۔ کسے معلوم تھا کہ ان چار افراد کا یہ فیصلہ تحریک آزادیٔ کشمیر کا ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوگا۔

یہ چار افراد مرحوم میجر امان اللہ خان٭ مرحوم میر عبدالقیوم٭ شہید کشمیر مقبول احمد بٹ اور میں (امان اللہ خان) تھے اور ہم دو دن کے بحث و مباحثے اور مسئلہ کشمیر کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ایک ایسی تنظیم (جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ) قائم کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے جس کا مقصد "مسلح جدوجہد سمیت ہر طرح کی جدوجہد کے ذریعہ ریاست جموں کشمیر کے عوام کو وہ حیثیت دلانی جس میں وہ اپنے مادر وطن کے واحد مالک کی حیثیت سے اس کے مستقبل کا تعین کریں" تھا اور اسی مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہم اپنے خون سے حلف اٹھا رہے تھے۔ (این ایل ایف کے پانچویں بانی ممبر مرحوم جی ایم لون سابق ملیٹ کونسلر تھے جو کچھ مدت بعد اس میں شامل ہوئے) مقبول بٹ اور میں نے اس سے قبل اپریل 1965ء میں بھی محاذ رائے شماری کے دوسرے نو منتخب عہدہ داروں کے ساتھ پاک کشمیر سرحد (سوچیت گڑھ نزد سیالکوٹ) پر مقبوضہ کشمیر کی مٹی ہاتھ میں لے کر عہد کیا تھا کہ ہم مادر وطن کی آزادی کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

گو اگست 1965ء میں پشاور میں قائم ہونے والی تنظیم 1976ء میں میرپور میں اپنے ہی کچھ ممبروں کے ہاتھوں زندہ دفن ہو گئی لیکن پشاور کے مذکورہ بالا اجلاس میں قوم کے لئے اصل حل۔ اس تک پہنچنے کے لئے صحیح راستے اور سفر کے لئے زادِ راہ کی واضح نشاندہی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر کا رُخ ہی (گو

غیر محسوس طور پر اور خاصا وقت لے کر) تبدیل ہو گیا اور پشاور کے اجلاس کے تیس سال بعد آج مسئلہ کشمیر پھر سے زندہ ہے اور تحریک آزادیٔ کشمیر بھی اسی سمت میں کم و بیش عروج پر ہے۔ مسئلہ کشمیر کو یہ نئی زندگی اور تحریک کو یہ عروج دلانے کی اصل ابتداء پشاور کے اسی اجلاس سے ہوئی تھی۔ اس اجلاس میں ہونے والے فیصلوں کے سلسلے میں سب سے زیادہ قربانیوں بھرا کردار شہید کشمیر مقبول احمد بٹؒ نے ادا کیا۔

مقبول بٹ گوشت پوست کے ایک وجیہہ و شکیل انسان کا ہی نام نہیں تھا وہ ایک مخصوص نظریئے کا امین، جدوجہد آزادی کے انقلابی طریقے کا مجتہد، خودداری اور خود اعتمادی میں بے مثال اور جرأت و بہادری اور صبر و تحمل میں یکتا ایک انتہائی عظیم انسان تھا۔ تقریباً تیرہ سال کی تشدد بھری اسیری کے بعد بھی تختۂ دار پر اطمینان کے ساتھ جھوم جانا کسی عام انسان کا کام نہیں "یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا"۔

مقبول بٹ کی پوری زندگی کی طرح اس کی سیاسی زندگی بھی خاصی مختصر یعنی صرف چوبیس سال رہی جس میں سے آدھی سے زیادہ زندانوں اور عقوبت خانوں میں گزری اور باقی زندگی میں بھی وہ ہر انقلابی کی طرح پرایوں کے علاوہ "اپنوں" کے زہریلے تیروں کا بھی نشانہ بنا رہا۔ البتہ اس مختصر سی سیاسی زندگی میں بھی تاریخ کشمیر پر اپنی گہری چھاپ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا چنانچہ جب بھی اور جہاں بھی انقلابی نظریات اور عظیم قربانیوں کے حوالے سے تاریخ کشمیر پر بات ہوگی مقبول بٹ کا تذکرہ ضرور ہوگا۔

الغرض مقبول بٹ جدید کشمیر کے عظیم ترین سپوتوں میں سے ایک ہے۔

امان اللہ خان

نذرانۂ عقیدت

(اداریہ روزنامہ جنگ)

پیارے مقبول!

دہلی میں ایک آزاد انسان کو پھانسی کے تختے سے اتار دیا گیا تو دنیا میں سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں انسان یوں لگے جیسے سولی پر لٹک گئے ہوں۔

میرے رفیق!

تم نے اس آزادی اور محبت کے جو وعدے کئے تھے وہ پورے کر دکھائے تو ایک عام انسان تھا لیکن تیرا سایہ تاریخ کے اس اور طرف پھیلتا جائے گا کیونکہ تو فرسودگی، دولت پرستی، استحصال، ظلم، غلامی اور منافقت کے خلاف چٹان اور بن گیا۔ تیرے دشمن تجھے ہمیشہ عزت، احترام اور محبت کا مستحق سمجھیں گے۔

مقبول!

تم اپنی تاریخ کا ایک تسلسل ہو، لیبیا کے عمر مختار سے کشمیر کے مقبول احمد بٹ تک تم سب ہمارے ہو۔

غلامی!

جہاں کہیں جس شکل اور جس روپ میں ہے تم اپنے پیشروؤں کی طرح اس کے خلاف جدوجہد کی مکمل تصویر ہو۔

میرے وطن کی مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتے وقت تیرے نام کی لوریاں سنایا کریں گی اور بچو! تم اس ذات پاک ﷺ کے سامنے سرخرو ہو گے۔ جس نے نوع انسان کو ہر قسم کی غلامی سے آزاد کرانے کا درس دیا تھا۔

آج میں 65 کروڑ انسانوں کے دارالحکومت میں ہونے والے اس المیے پر رونے والا تنہا نہیں ۔۔۔

میرے دوست!

اگر تم کا دادا نہیں کہ جمہوریت اور بھارت کو چمکانے کا ذریعہ ہیں۔

تجھے پھانسی پر لٹکانے والوں کو میں اپنی تاریخ سے کوئی حوالہ نہیں دینا چاہتا تاکہ وہ شرمسا

میرا جرم فرسودگی، قدامت پسندی، سرمایہ دارانہ استحصالی نظام، غلامی اور ریاکاری کے خلاف جدوجہد ہے۔

ر ہوں۔ کیونکہ انہوں نے تمہاری کب سنی ہے کہ میری سنیں گے۔ میں انہیں صرف اُن کے اپنے وجود کے سامنے کھڑا کرنا چاہتا ہوں۔ میں 65 کروڑ انسانوں کے ترجمان دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں سے صرف یہ پوچھتا ہوں کہ بھگت سنگھ اور مقبول احمد بٹ کے جرم میں کیا فرق ہے۔

کیا تمہارے لیڈر جواہر لعل نہرو پر ناگ پور میں چلنے والا مقدمہ مقبول احمد بٹ کے مقدمہ سے مختلف تھا۔

اگر بھگت سنگھ آزادی کا نشان اور غلام ملک کا ہیرو تھا تو مقبول احمد بٹ ہیرو کیوں نہیں۔

اگر جواہر لعل نہرو مجرم نہیں تھا تو مقبول احمد بٹ مجرم کیوں ہے۔ یہ تمہاری تاریخ کا حصہ ہے تمہیں ٹھیک" یاد ہو گا آج تمہارے ضمیر میں کوئی خلش، کوئی چبھن کیوں محسوس نہیں ہوئی ظلم انسان کو سولی پر تو لٹکا سکتا ہے لیکن ظلم انصاف نہیں کر سکتا۔

تاریخ نے اس کرۂ ارض پر کئی فرعون دیکھے لیکن آخرکار وہ نشانِ عبرت بن گئے اور تاریخ کے طالب علم جب ان کھنڈروں کی سیر کرتے ہیں تو ان میں سے صرف ظالموں کی کراہوں کی آوازیں آتی ہیں یا مظلوموں کے قہقہے سنائی دیتے ہیں۔

میرے دوست!

تمہاری زندگی کو مختصر کرنے والے پنجے طویل عرصے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن یہ ان سب کا بڑا مغالطہ ہے۔

مان لیا کہ آج تیرے سوگ میں 158 آزاد ملکوں میں سے کسی کا پرچم سرنگوں نہیں لیکن دنیا کے تمام ادیب انسانوں کے سر تیرے احترام میں خم ہیں۔

میرے دوست!

تم نے ہمیں اللہ کے حوالے کیا اور ہم نے تمہیں دل میں اتار لیا۔۔۔ تو ہر روز ہمارے دل کے افق پر سورج کی طرح طلوع ہوتا رہے گا۔

شورش ملک — اسلام آباد 11 فروری 1984

ظلم کو پُرامن طور پر برداشت کرنا، انسانی زندگی کا عظیم ترین جرم ہے۔

احمد فراز کا مقبول بٹؒ کو خراجِ عقیدت

گو آنکھ سے دور جا چکا تو — روشن ہے مگر چراغ سا تو
محروم لبوں کا حرفِ زندہ — مظلوم دلوں کا ہمنوا تو
میں بھی تیرا ہمسفر تھا لیکن — میں آبلہ پا تھا برق پا تو
زنداں کے عذاب تک رہا میں — اور منزلِ دار تک گیا تو
دشمن کے حصار میں اکیلا — لشکر کے مقابلے پہ تھا تو
کب قتل ہوئی ہے سچ کی آواز — خوشبو کی طرح ہے جا بجا تو
اے جانِ جہانِ سرفروشاں — لیلائے وطن کا دلربا تو
تھا تذکرۂ مسیح و منصور — بے ساختہ یاد آ گیا تو
اے کشتۂ شب فراز کو بھی — مرنے کا ہنر سکھا گیا تو

آزادی کی قومی تحریکوں کو عدالتی فیصلوں کی مدد سے اگر روکا جا سکتا تو دنیا میں شاید ہی کوئی قوم آزاد ہوتی۔

بابائے قوم حضرت محمد مقبول بٹ شہیدؒ ......

کیا آپ جانتے ہیں؟

مرتب --- ڈاکٹر حمید جوہری

(1) شہید مقبول احمد بٹ 18 فروری 1938ء کو کشمیر کی راجدھانی سری نگر سے 96 کلومیٹر دور شمال کی جانب ضلع کپواڑہ کے ایک قصبے ترہگام میں پیدا ہوئے۔
(2) آپ کے والد محترم کا نام غلام قادر بٹ تھا۔
(3) آپ کے چار بھائی اور تین بہنیں۔ حبیب اللہ بٹ میٹرک کے بعد لاپتہ ہو گئے۔ غلام نبی بٹ شہید بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے بانی ممبران میں سے تھے۔ یہ 19 نومبر 1994ء کو سری نگر بچھان پورہ میں ایک ٹریفک کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ دو بھائی منظور احمد بٹ، ظہور احمد بٹ ہیں۔
(4) شہید مقبول احمد بٹ نے ابتدائی تعلیم ترہگام کے پرائمری سکول میں حاصل کی اور میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول ترہگام سے پاس کیا۔
(5) سینٹ جوزف کالج بارہمولہ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔
(6) 1958ء میں مقبوضہ کشمیر سے براستہ اوڑی ہجرت کر کے پاکستان کے شہر پشاور میں اپنے چچا عبدالعزیز بٹ مرحوم کے ساتھ رہائش اختیار کی۔
(7) پشاور یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو اور ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔
(8) وہاں ہی صحافت کا پیشہ اختیار کیا اور روزنامہ "انجام" پشاور سے منسلک ہوئے
(9) آپ نے آزاد کشمیر کے 1961ء کے انتخابات میں صدارت کے لئے جناب کے۔ ایچ خورشید مرحوم اور الیکشن کونسل کی رکنیت کے لئے بی۔ ایم۔ ان مرحوم کی حمایت کی۔
(10) اپریل 1965ء میں سیالکوٹ کے مقام پر جموں کشمیر محاذِ رائے شماری کا قیام عمل میں آیا شہید مقبول بٹ اس کے پبلسٹی سیکرٹری منتخب ہوئے۔

حق پرستی اور حق شناسی کا دعویٰ رکھنے والوں کے لئے بہترین زندگی وہ ہے جو سچائی کا شعور حاصل کرے اور اس شعور کی روشنی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تزئین و آرائش میں صرف ہو۔

(11) 1965ء میں امان اللہ خان اور شہید مقبول بٹ نے میر عبدالقیوم، میجر امان اللہ خان اور جی ایم لون کے تعاون سے این ایل ایف نام کی ایک گوریلا تنظیم قائم کی۔ جس میں شہید مقبول احمد بٹ کو کمانڈر، امان اللہ خان کو سیاسی و مالیاتی امور، میجر امان اللہ خان کو مسلح ونگ اور میر عبدالقیوم کو مالیات کا شعبہ سونپا گیا۔

(12) شہید مقبول احمد بٹ جون 1966ء میں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوئے ان کے ہمراہ میجر امان اللہ خان، صوبیدار حبیب اللہ، امجد، گلگت کے اورنگ زیب اور آزاد کشمیر کے صوبیدار کالا خان تھے۔

(13) سوپور کے نزدیک ایک گاؤں کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور وادی کے نوجوانوں کو مسلح جدوجہد کرنے کے لیے تیار کرنے کا عمل شروع کیا۔

(14) 10 ستمبر 1966ء کو بارہ مولہ کے نزدیک ایک گاؤں ندی مل کے مقام پر بھارتی سیکورٹی عملہ کے ساتھ ایک خونی معرکہ پیش آیا اس خونی معرکے میں اورنگ زیب شہید ہوئے اور مقبول بٹ اپنے ساتھیوں میر احمد اور کالا خان کے ہمراہ گرفتار ہوئے۔

(15) گرفتاری کے بعد ان کے والد غلام قادر بٹ مرحوم اور بھائی غلام نبی بٹ کو گرفتار کرکے تین ماہ تک مہتاب انٹروگیشن سنٹر میں بھارتی سیکورٹی فورسز نے تشدد کا نشانہ بنایا۔

(16) خواجہ عبدالحق اور ایس اے اشی نے ان کے لیے بیان صفائی کی پیشی کا وکیل مقرر کیا۔

(17) 17 اگست 1968ء کو بارہ مولہ سیشن کورٹ کے جج نیل کنٹھ گنجو نے میر احمد اور مقبول بٹ کو پھانسی کی سزا سنائی اور صوبیدار کالا خان ساکن مظفرآباد کو عمر قید کی سزا دی۔

(18) سزائے موت کا فیصلہ سننے کے چار ماہ بعد 9 دسمبر 1968ء کو شہید مقبول بٹ اپنے دو ساتھیوں میر احمد عرف پاکستانی ساکن ہندواڑہ، چوہدری یاسین ساکن ... کے ہمراہ جیل توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ چوہدری یاسین 1965ء سے سری نگر جیل میں قید تھے۔

(19) سیز فائر لائن کراس کرکے جب آزاد کشمیر میں داخل ہوئے تو یہاں گرفتار ہوگئے اور کئی ماہ تک مظفرآباد کے قلعے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

(20) نومبر 1969ء کو محاذ رائے شماری کے صدر منتخب ہوئے۔

(21) 1970ء میں شہید مقبول احمد بٹ نے گلگت بلتستان کے عوام کے حقوق کی جدوجہد شروع کی اور امان اللہ خان، عبدالخالق انصاری، میر عبدالمنان، جی ایم میر اور غلام مصطفیٰ علوی کے ہمراہ گلگت بلتستان کا دورہ کیا۔

اپنی زندگی کی آخری خواہش کے طور پر اپنے نظریاتی ساتھیوں سے کہوں گا کہ حالات خواہ کتنے ہی بدترین کیوں نہ ہوں وہ ثابت قدم رہیں اور مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہیں۔

(22) 31 جنوری 1970ء کو مقبول بٹ نے ہاشم قریشی اور محمد اشرف قریشی کے ذریعے بھارت کا ایک طیارہ گنگا ہائی جیک کروایا۔

(23) گنگا طیارے کے ہائی جیک ہونے کی خبر نشر ہوتے ہی مقبول بٹ پوری دنیا میں بالعموم اور پاکستان و جموں کشمیر میں بالخصوص توجہ کا مرکز بن گئے اور مقبول بٹ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے لاہور کی سڑکوں پر عوام کا جم غفیر جمع ہوا۔

(24) گنگا طیارہ 2 فروری 1971ء کی شام کو لاہور کے ہوائی اڈے پر جلا دیا گیا۔

(25) 15 اپریل 1971ء کو پاکستانی نوکر شاہی نے شہید مقبول بٹ کو کوہ مری میں گرفتار کیا اور ان پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے بھارت کی ایما پر گنگا اغوا کرایا تھا۔

(26) بھارتی ایجنٹ ہونے کے اس الزام میں میر عبدالقیوم، میر عبدالمنان، جی ایم لون، ہاشم قریشی اور محمد اشرف قریشی پر بھی مقدمہ چلایا گیا۔

(27) خصوصی عدالت کے جج جسٹس یعقوب علی اور جسٹس شیخ عبدالقادر تھے۔

(28) گنگا کیس کے مقدمے کی کارروائی 8 دسمبر 1972ء کو ختم ہوئی۔

(29) اس مقدمے کا فیصلہ 17 مئی 1973ء کو سنایا گیا۔ اس تاریخی فیصلے میں شہید مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کو محب وطن حریت پسند قرار دے کر باعزت بری کر دیا گیا البتہ انہیں بغیر لائسنس اسلحہ خرید کر مقبوضہ کشمیر بھیجنے کی پاداش میں تا برخاست عدالت سزا دی گئی۔

(30) شہید مقبول بٹ دوسری بار 10 مئی 1976ء کو اپنے تین قریبی ساتھیوں عبدالحمید بٹ، ریاض احمد ڈار اور عبدالغفار رتی کے ہمراہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوئے۔

(31) سوپور کے عبدالعزیز شاہ باقی اور شعبان میر نے شہید مقبول احمد بٹ کی سرگرمیوں کے لئے وسائل فراہم کیے۔

(32) 7 جون 1976ء کو لنگیٹ (ہندواڑہ) کے جموں کشمیر بنک کے منیجر غلام نبی نے مقبول بٹ کو دیکھتے ہی غلط فہمی کی بنیاد پر شور مچانے لگے۔ منیجر کو گولی لگی اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ شہید بٹ اپنے ساتھیوں کے سمیت پہاڑی کی سمت بھاگے جہاں لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور موقع پر ہی پولیس کے حوالے کیا جبکہ عبدالحمید بٹ، ریاض احمد ڈار اور محمد اشرف لون کے ہمراہ گرفتار کرکے جوڈیشل حوالات ہندواڑہ پہنچائے گئے۔

(33) جموں کشمیر کے سابق وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر کے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شہید مقبول احمد بٹ کو 23 جولائی 1976ء کو بھارتی حکومت کی تحویل میں دیا اور انہیں دلی کے تہاڑ جیل منتقل کیا۔

ہم دوستوں کی اعانت کے متمنی ہیں لیکن ایسی دوستی جو باہمی عزت و وقار کی بنیاد پر استوار ہو۔ ہم دوستی چاہتے ہیں کسی کی بالادستی تسلیم کرنا نہیں چاہتے۔

(34) 4 فروری 1984ء کو لندن میں بھارت کے ایک سفارت کار رویندرا مہاترے کو جموں کشمیر لبریشن فرنٹ سے وابستہ چند نوجوانوں نے اغوا کر کے مقبول احمد بٹ کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

(35) 72 گھنٹے تک بھارتی حکومت کا جواب نہ ملنے کے بعد رویندرا مہاترے کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

(36) 8 فروری 1984ء کو بھارتی وزارت داخلہ کی ایک ٹیم سیکرٹری داخلہ کی قیادت میں جموں پہنچی اور اس وقت کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے مقبول احمد بٹ کی پھانسی کے بلیک وارنٹ پر دستخط لئے۔

(37) شہید مقبول احمد بٹؒ کے برادر اصغر غلام نبی بٹ مرحوم کو 10 فروری 1984ء کو سری نگر کے ہوائی اڈے پر گرفتار کیا گیا۔

(38) شہید مقبول احمد بٹؒ کو 11 فروری 1984ء کو دہلی کے تہاڑ جیل میں پھانسی دی گئی۔ ان کے وکیل مظفر حسین بیگ کو تہاڑ جیل کے باہر ہی روکا گیا۔ بلکہ تہاڑ جیل جانے والے تمام راستے بند کر دیئے گئے تھے۔

(39) جموں کشمیر پیپلز کانفرنس کے چیئرمین خواجہ عبدالغنی لون واحد کشمیری سیاست دان تھے جنہوں نے نہ صرف اس پھانسی کے خلاف احتجاج کیا بلکہ کشمیری لحاظ سے عوامی مظاہروں کو منظم کیا اور کشمیر کے ایک [illegible] ڈاکٹر غلام محمد شاہ نے مستعفی ہو کر ان مظاہروں کی قیادت کی۔

(40) شہید کشمیر کی سزائے موت کے خلاف بہت سے عالمی رہنماؤں نے بھارتی حکومت سے اپیل کی لیکن بھارت نے کسی کی نہ سنی۔

(41) مقبول بٹ شہید کا جسد خاکی تہاڑ جیل دہلی کے احاطے میں ہی دفن ہے۔

(42) تختہ دار پر جام شہادت نوش کرنے سے پہلے شہید کشمیر نے تقریباً ساڑھے بارہ سال جیلوں میں گزارے تھے۔ جن میں سے تقریباً ڈھائی سال پاکستان میں اور دس سال سے زائد مدت بھارت اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے جیلوں اور عقوبت خانوں میں گزاری تھی۔ اس دوران ان پر انتہائی انسانیت سوز ذہنی اور جسمانی تشدد بھی ہوتا رہا۔ لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش نہیں آئی۔

میرے بیٹے اس سے بڑھ کر خوشی کا مقام کیا ہو سکتا ہے کہ حالات کی ناسازگی اور وقت کا جبر صرف یہ کہ ان شمعوں کو بجھانے میں ناکام رہے جنہیں ہم نے خون دل سے روشن کیا بلکہ ان جلتی شمعوں سے اور بھی کتنے ہی چراغ روشن ہو رہے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب ان چراغوں کی روشنی سارے وطن کو منور کرے گی۔ اور وہ کیفیت پیدا ہو گی جسے ہم صحیح طور پر آزادی کا چراغاں کہہ سکیں گے۔

مقبول بٹ شہیدؒ میرا ساتھی

ڈاکٹر فاروق حیدر

مقبول بٹؒ پھانسی کے پھندے سے فارغ ہو کر مجھے ملے۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ آج کے بعد میں تمہارے ساتھ ایک خوشبو کی طرح رہوں گا۔ تم مجھے محسوس کرو گے لیکن چھو نہ سکو گے۔ اور پھر وہ بلند ہو گیا۔ وہ خوشبو آج پورے کشمیر میں پھیل چکی ہے۔ جب میں اپنے ہاتھ سے کشمیر کے پہلے مجاہد کو پھانسی کا مشعل تھما رہا تھا۔ تو مجھے یقین آ گیا تھا کہ اس گھڑی کے بعد کشمیر کی آزادی کا سفر پوری تیز رفتاری سے شروع ہو گیا ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ آخری وقت مقبول بٹؒ جب مجھ سے رخصت ہونے لگا تو وہ میرے گھر کے صحن میں مجھ سے بڑے زور سے بغلگیر ہوا۔ میں نے اس کا اور اس کے ساتھی ریاض ڈار اور عبدالحمید بٹ کا ہاتھ چوما۔ جب کہ جیپ کی سٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے باغ کے قریب جیل کاہوڑ کے علاقے میں شہید ہونے والے کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اور کاکا غفار دور خلاؤں میں گھور رہا تھا۔

مقبول بٹؒ نے مجھ سے کہا ڈاکٹر صاحب میری روانگی کا کسی کو علم نہ ہو۔ اب میں اس وقت واپس آؤں گا جب کشمیر آزاد ہو جائے گا۔ مقبول بٹؒ نے اپنا وعدہ وقت سے پہلے ہی پورا کر دیا اور وہ جلد ہی اعجاز ڈار شہید کی شکل میں میرے پاس لوٹ آیا جب اعجاز ڈار شہید ہو گیا تو وہ اشفاق مجید وانی کی شکل میں میرے پاس آ گیا۔ جب اشفاق مجید وانی بھی شہید ہو گیا تو وہ عبدالحمید شیخ کی شکل میں میرے پاس آ گیا اور جب عبدالحمید شیخ شہید ہوا اس کے بعد بھی قطاریں ' ہزاروں کی تعداد میں وادیوں میں سے ' پہاڑوں کے اوپر سے ' دریاؤں کے ساتھ ساتھ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے مقبول بٹؒ میرے پاس چلے آئے۔

کشمیر کے ناصبو! سن لو اور کان کھول کر سن لو۔ مقبول بٹؒ آج بھی زندہ ہے۔ اور مقبول بٹؒ جب تک زندہ ہے کشمیر کی آزادی بھی زندہ و پائندہ ہے

ہمیں یقین ہے کہ ایک دن اور وطن ضرور آزاد ہو گا۔ اور ہم اپنی عظیم فتح سے ضرور ہمکنار ہوں گے۔

مقبول بٹ شہید

ڈاکٹر فاروق حیدر کے الفاظ میں

ہر نوجوان دل کی تمنا میں بسا ہوں
کہتا ہے کون دوستو میں تم سے جدا ہوں
آتا ہے جہاں موت کے ماتھے پہ پسینہ
اس جگہ کئی بار ، کئی بار گیا ہوں
ہے کونسا طوفاں جو مجھے روک سکے گا
میں حریت کے ہنڈولے میں پلا ہوں
لایا اور بھی پھر تو مجھے دار کے دیکھو
الزام کئی سر پہ لئے جھوم رہا ہوں
جس شب کے شروع ہوتے کئی لوگ گرے تھے
اس شب کے اندھیروں میں شجاعت سے کھڑا ہوں
میں جھوٹ کے سورج سے تمہیں لایا ہوں کرنیں
میں نورِ صداقت کے لئے خود ہی جلا ہوں

ہمیں تحریک آزادی کو ایسے خطوط پر استوار کرنا ہے کہ ہماری پکار امن کے ایوانوں میں گونجے ، زندانوں میں کوئی کی گھن گرج سنائی دے اور وقت ، ہماری شرحوں کی گواہی دینے پر مجبور ہو۔

کشمیر کا سقراط

ماسٹر ایس - ایم - افضل

آزادی کے بغیر کائنات میں ذرہ بھی نشوونما نہیں پاسکتا۔ آزاد ماحول کے بغیر ہر چیز مرجھا جاتی ہے اور مرجاتی ہے۔ انسان نے غلامی، جبر، ظلم اور اپنے وجود کی پہچان کے لئے روز اول سے ہی جدوجہد کی۔ کبھی فرد واحد اپنی آزادی کے لئے جدوجہد میں مصروف عمل رہا اور کبھی اس جدوجہد نے اجتماعیت کی شکل اختیار کی۔ آہستہ آہستہ ہی تمام سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر آزاد رہنے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہوئے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ طاقتور قوتوں نے ہمیشہ اپنے ارد گرد کے کمزور انسانوں کو بھیڑ بکریاں سمجھ کر انسانیت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر ان کے سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق پر شب خون مارا۔ مجبور، مقہور اور مظلوم اپنی زندگی کے اعلیٰ و ارفع مقاصد سے نا آشنا رہ کر غلامی پر بھی قناعت کرلیتا ہے۔ ایسے افراد اپنے وجود اور تشخص سے بے نیاز ہو کر اوقات بسری کو دنیا کی نعمت تصور کرتے ہیں۔ ایسی ہی قوموں میں ایک قوم جنوبی ایشیا کے خطہ میں موجود ہے۔ ایک کروڑ تیس لاکھ نفوس پر مشتمل یہ قوم چوراسی ہزار چار سو اکہتر مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے جسے اقوام عالم میں کشمیر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ ملک طویل تاریخ کا حامل ہے۔ ہزاروں سال تک آزاد اور خود مختار رہنے کے باعث پورے براعظم ایشیا میں مرکزی کشش کا حامل رہا ہے اس کی سرحدیں پاکستان، چین، افغانستان اور بھارت سے ملتی ہیں۔

قدرت نے اس خطہ ارضی پر کچھ زیادہ ہی عنایت کی ہے۔ فلک بوس پہاڑوں کے بیچ گھری ہوئی سرسبز و شاداب وادیاں، چھوٹی بڑی اور گہری جھیلیں، رنگ برنگے پھول ان وادیوں اور جھیلوں کے حسن میں دل کش نکھار پیدا کرتے ہیں۔ ملک کشمیر کے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے اسے جنت الفردوس کہا جاتا ہے۔ اس ملک کی جغرافیائی شکل و صورت اور موسم نے ہمیشہ اس کے پاسبان کا کردار نبھایا ہے۔ ماضی کے بڑے بڑے سورما فاتح بھی اس ملک کو فتح کرنے میں ناکام رہے۔ محمود غزنوی، امیر تیمور، چنگیز خان، اکبر اعظم جیسے فاتح بھی فوج کشی کے ذریعے اس ملک کو زیر نہ کرسکے۔ البتہ یہ ملک چند سازشوں کی وجہ سے زیر عتاب رہا ہے۔ چند اپنوں کی سازشوں سے یہ ملک غیر ملکی جارحیت کی بھینٹ چڑھا ہے۔ بیرونی آقاؤں نے چند اندرونی غداروں کے ذریعے عوام کو حصوں میں تقسیم کرکے اپنے مفادات حاصل کئے ہیں۔ مذہب پر حق نے کشمیری

میں فرعونیت، دولت پرستی، استحصال، ظلم، غلامی اور منافقت کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوا ہوں۔

اپنی حق شعور کرتے ہیں اور مذہبی جذبات کو ابھار کر اور کبھی لسانی، علاقائی رجحان کو فروغ دے کر اس ملک کے آئینی تقدس کو تار تار کیا گیا۔ ان لوگوں کے ہتھکنڈوں کا نتیجہ ہی ہے کہ کشمیر چار سو برس سے اپنے سیاہ ترین دور سے گزر رہا ہے۔ ماضی کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر کے قوم پرستوں نے اس ملک کے وقار اور تشخص کے لئے ہر دور میں بغاوت کی ہے اور عوام ان کی زندہ لاشیں کھینچی گئی ہیں۔

اب موجودہ قابض قوتیں اس کی تاریخ کو بھی مسخ کر رہی ہیں دکھ یہ ہے کہ یہ کام بھی کشمیریوں سے ہی لیا جا رہا ہے۔ افسوس کہ ذی شعور، تعلیم یافتہ اور قوم کے روشن مستقبل کا ضامن طبقہ قومی آزادی کی تحریک سے ناآشنا رہ کر محض حیات بسری کے لئے قابض طاقتوں کا آلہ کار بن کر رہ گیا ہے۔ مگر کشمیر کے قوم پرست ہر دور میں اپنے وجود کا احساس دلاتے رہے ہیں۔ مختلف ادوار سے گزر کر 1925ء سے کشمیر میں نئے دور کا آغاز ہوا جب نوجوان تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے کشمیر میں حکومت سنبھالی تو عوام نے ان سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں کہ شاید اب وطن عزیز کے گوشے گوشے کے باشندوں کے حقوق بحال ہو جائیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ انہوں نے ہندوستان کے ہندوؤں اور راجپوتوں کو کشمیریوں پر ترجیح دی جس سے پوری قوم میں مایوسی پھیل گئی اور کشمیر کے نوجوانوں نے "کشمیر کشمیریوں کا ہے" تحریک کا آغاز کیا۔ یہ تحریک 1925ء سے 1931ء تک جاری رہی۔ اس میں ہندو مسلمان دونوں پیش پیش تھے۔ 1931ء میں شیخ محمد عبداللہ، چوہدری غلام عباس اور مولانا محمد یوسف شاہ کی قیادت میں اس سوچ نے ایک نئی تحریک کی شکل اختیار کی۔ مگر جلد ہی اس تحریک میں فرقہ واریت کا عنصر غالب آ گیا جس کی وجہ سے کشمیر کے تمام فرقے اس کے ساتھ منسلک نہ ہو سکے۔ اگرچہ ظاہری طور پر یہ مخصوص حکمرانوں کی زیادتیوں کے خلاف ایک منظم تحریک تھی مگر کشمیر کے اکثریتی فرقے سے منسوب اس تحریک کو روز اول سے ہی شک و شبہات کا شکار کیا گیا۔ اگرچہ بعد میں شیخ محمد عبداللہ نے قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ کر اس تحریک کو آزادی تحریک کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس مرحلے پر شک و شبہات نے کچھ کرنے ہی نہیں دیا کی بنیادیں ڈال دی تھیں۔ جس کی وجہ سے یہ تحریک دو لخت ہو گئی۔ تحریک اپنے مقاصد کھو بیٹھی۔ قومی اتحاد کے پارہ پارہ ہونے کے بعد قائدین قوم نے اپنی جدوجہد عوامی خواہشات اور احساسات کی بجائے سامراجی سوچ کے تابع کر لی اور ایک دوسرے پر فوقیت لینے کی دوڑ میں تحریک آزادی ہند کے صف اول کے قائدین کی خوشنودی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا اور متحدہ کشمیر کا موجودہ وقت اسی سیاسی رسہ کشی کا نتیجہ ہے۔

کچھ جرم ایسے ہیں جن کا ارتکاب اہل عزم و ایمان کے لئے باعث صد افتخار ہوتا ہے۔ ان میں "بغاوت" جرم سنگین تر ثابت نہیں۔ جس کی سزا مرگ مفاجات ہوتی ہے۔ البتہ بغاوت کا وہ جرم ضرور قابل ہے جو غلاموں میں موت کی تپش پیدا کرتا ہے۔ اس جرم کے ارتکاب پر اظہار ندامت نہیں اظہار مسرت کیا جانا چاہئے۔

قارئین کشمیر کی اسی رسہ کشی کے دور میں منقسم کشمیر کی دارالحکومت سری نگر سے 65 میل دور شمال کی جانب واقع گاؤں ترہگام میں 18 فروری 1938ء کو غلام قادر بٹ کے گھر میں ایک بچے نے جنم لیا۔ ترہگام کے وسط میں قائم گورنمنٹ سکول میں داخلہ لیتے وقت مقبول داخلی سارے گاؤں میں مقبول تھا۔ تن اور من کی خوبصورتی، ذہانت، سنجیدگی اور والدین کی خصوصی توجہ نے مقبول کو سارے سکول میں ممتاز بنا دیا اور جلد ہی سکول کی پہچان کے لئے لازم و ملزوم بن گئے۔ ترہگام بنیادی طور پر پورے کشمیر میں ایک باغی گاؤں کے نام سے مشہور ہے ماضی میں غیر ملکی آقاؤں کو یہاں بڑی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور 1931ء کی تحریک کی ابتداء سے ہی ترہگام نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اسی ماحول میں مقبول بٹ نے قومی سوچ کی پرورش پائی۔ سکول میں دوران تربیت ہی اس کے آئندہ عزائم کے نمایاں آثار ابھر کر سامنے آنے لگے تھے۔ ترہگام میں ان کے ہم جماعت ان سے بڑی بڑی کہانیاں منسوب کرتے ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مقبول احمد بٹ کی عظمت کے آثار بچپن میں ہی نمایاں ہونے لگے تھے۔ ترہگام سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سینٹ جوزف کالج بارہ مولہ سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور ضلع اننت ناگ (اسلام آباد) کے ایک دور دراز دیہات (آسران) میں ایک پرائیویٹ درس گاہ میں بحیثیت مدرس اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ مگر وقت نے ثابت کیا کہ مقبول احمد بٹ اپنا درس محض ایک درس گاہ تک محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا وہ تو پوری قوم کا پیامبر تھا وہ قوم کی آزادی کی گھٹی اور غلامی تقسیم تھا۔ وطن عزیز کی نازک حالات کے پیش نظر والدین کے مستقبل کے تمام ارادوں سے بے نیاز ہو کر انہوں نے 1958ء میں پاکستان ہجرت کی اور پشاور میں اپنے چچا مرحوم عبدالعزیز بٹ کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ پشاور کی یونیورسٹی سے ایم اے اردو اور وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد روزنامہ "انجام" سے صحافت کا آغاز کر دیا۔

وطن عزیز کے سیاسی حالات کب محمد مقبول بٹ کے بے چین وجود کو کرسی تک محدود رہنے دیتے۔ بچپن میں اوروں کی مانند ابلتا جذبۂ آزادی انہیں کب چین سے بیٹھنے دیتا۔ یہ ناقابل تردید حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عظیم لوگ کرسی کے لئے پیدا نہیں ہوتے اور نہ ہی عظیم لوگ روز روز جنم لیتے ہیں۔ مادر وطن ایسے افراد کو اپنا قومی تشخص اور وجود منوانے کے لئے ہی جنم دیتی ہے۔ قانون قدرت عظیم قوموں کو اپنا تشخص، ثقافت، پہچان، وقار، عزت و آبرو قائم کرنے کے لئے مواقع فراہم کرتی ہے اور جو قوم ان مواقع سے فائدہ اٹھاتی ہے سرخرو ہو جاتی ہے، جو قوم ایسے مواقع ضائع کر دے وہ غلامی اور محکومی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر

غلامی کے احساس کو ذہنوں سے نکال دو۔ برادری ازم، قبائلی تعصب کی زنجیریں توڑ دو۔ برادریوں کے بھونڈے فریب سے نکل کر اور مادر وطن کشمیر کی آزادی، عزت اور خود مختاری دلانے کے لئے طویل مسلح جدوجہد کے لئے تیار ہو جاؤ۔

ست جاتی ہے۔ اگرچہ قوموں کی تقدیر کا دور محدود ہوتا ہے لیکن غلامی کی سیاہ رات کی بجائے قوموں کے درخشاں مستقبل کا دارومدار صرف امتحان میں قوم کے صبر واستقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ ساتھ جہد مسلسل پر منحصر ہے۔ لیکن جب قوم پر غلامی کے سیاہ بادل ہر طرف چھا جاتے ہیں۔ بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے اپنے قومی تشخص کا نیلام کرتے ہیں۔ ذاتی مفادات کے لئے اپنی قومی تشخص کو نیلام کرکے غیر ملکی غلامی کو اپنے ماتھے کا جھومر سمجھیں اور عوام خواب غفلت میں رہیں اور دشمن میں فرق کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔ جب قوم غلامی اور آزادی کے فرق سے بے بہرہ ہو اور کسی حرام کو ہضم کیا جاتا ہے جو سرعام زہر کا پیالہ نوش کرکے قوم کے دلوں میں موجزن جذبہ آزادی کا بھرم رکھے اور حق و صداقت کو مٹنے سے بچائے۔ جو فرد کے وجود کو حق بلند کرے جو قلم کو قلم کہنے سے اجتناب نہ کرے جو قوم پرستی اور حب الوطنی سے سرشار حق و باطل کے درمیان حائل وسیع خلیج سے باخبر ہو، جو نہ صرف غلاموں کا نبض شناس ہو بلکہ مجبور، محکوم اور مظلوم قوم کو غلامی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر ساحل حریت پر لانے میں ایسی قائدانہ صلاحیتوں کا مالک ہو۔ چنانچہ وقت نے ثابت کیا کہ بابائے قوم شہید مقبول احمد بٹ میں وہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں اور قوم کے نجات دہندہ کی صورت میں سر پر کفن باندھ کر میدان کارزار میں بے خطر کود پڑا۔

قوم کی آزادی کے لئے مقبول احمد بٹ نے جموں کشمیر محاذ رائے شماری کے پلیٹ فارم سے جدوجہد کا آغاز کیا۔ 1965ء میں سیالکوٹ کے مقام پر محاذ رائے شماری کے کنونشن میں تنظیمی اقدامات منتخب کئے۔ اپنے عہدے کا حلف سیالکوٹ جموں سرحد کے درمیان سوچیت گڑھ کے مقام پر وطن عزیز کی زرخیز مٹی ہاتھ میں لے کر لیا۔ یہ محض حلف نہیں بلکہ ایک عہد اور عزم تھا۔ دیگر قریبی ساتھیوں قائد تحریک امان اللہ خان، عبدالخالق انصاری اور دیگر قریبی رفقاء کے ہمراہ وطن کی آزادی کے لئے ہر قربانی دینے کا عہد کیا مگر جلد ہی یہ پلیٹ فارم تحریک آزادی کے لئے ناکافی محسوس ہونے لگا اور اپنے قریبی ساتھیوں امان اللہ خان صاحب، میجر امان اللہ خان، میر عبدالقیوم سے مل کر محاذ رائے شماری میں ہی جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ کے نام سے ایک زیر زمین گوریلا تنظیم بنائی اور اس تنظیم کے ایک اہم رکن کی حیثیت سے 1966ء میں منقسم کشمیر کے بیچ میں جبری کھینچی گئی خونی لکیر کو پاؤں سے روندتے ہوئے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوئے اور کشمیر کے نوجوانوں کو مسلح جدوجہد کی ترغیب دینے میں مصروف ہوئے۔ اسی دوران گلگت کا رہنے والا اورنگزیب ان کے ہمراہ تھا۔ اپنے قومی آزادی کی بنیادی ضرورت کے معاملات تقاضے

حق و باطل کی اس کشمکش میں جس میں ہم نے خود کو ایک کامل شعور و تدبر کے ساتھ صف آرا کر رکھا ہے۔ جانوں کا نذرانہ پیش کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ آزادی کے لئے مجنوں کا جنون اتنا ہی ضروری ہے جتنا جسم و جان کے لئے گرم خون۔

ہوئے بارہ مولہ "ہاڑی فل" کے مقام پر بھارتی سیکورٹی فورسز سے آمنا سامنا ہوا، جس نے ایک ادنیٰ سے معرکے کی شکل اختیار کی۔ بھارتی انٹیلی جنس کا انسپکٹر امرچند اس معرکے میں واصل جہنم ہوا جبکہ تحریک آزادی کشمیر کے محسن بابائے شیران گلگت کے عظیم سپوت اورنگزیب نے جام شہادت نوش کرکے جدوجہد تحریک کے اولین شہید ہونے کا اعزاز حاصل کیا، جبکہ بابائے قوم شہید محمد مقبول بٹ کے علاوہ صوبیدار کالا خان اور میر احمد گرفتار ہوئے اور سری نگر کے بدنام زمانہ انٹروگیشن سنٹر Red-16 منتقل کئے گئے، جہاں کئی ماہ تک ان پر تشدد ہوتا رہا۔ شہید کے والد غلام قادر بٹ صاحب اور برادر اصغر شہید غلام نبی بٹ بھی اسی انٹروگیشن میں برابر تین ماہ تشدد کا شکار بنتے رہے۔ بالآخر بابائے قوم کو سری نگر جیل منتقل کیا گیا اور سامراجی مفادات کے تحفظ کے لئے قائم دہلوی کورٹ بارہ مولہ کے جج "نیل کنٹھ گنجو" نے انہیں پھانسی کی سزا دے کر سامراجی نمک خواری کا حق ادا کیا۔ بھارتی دشمن سامراج نے پورے کشمیر کے اندر اپنے نمک خواروں کو متحرک کیا۔ جنہوں نے طرح طرح کے الزامات اور غلط فہمیوں کے ذریعے پوری قوم کو ان سے متنفر کرنے کی ناکام کوشش کی۔ حتیٰ کہ ان کی وکالت کے لئے بھی کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر جموں کشمیر ہائیکورٹ بار کے کمشنر خواجہ عبدالحق لون نے نہ صرف ان کی وکالت کا فریضہ انجام دیا بلکہ بھارتی سامراج کے اس اپروچ پر شدید احتجاج بھی کیا۔ خواجہ عبدالحق لون صاحب ان کے ہم جماعتی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے بچپن کے ساتھی بھی تھے۔

مگر ایسے عظیم افراد بے مقصد موت کے لئے جنم نہیں لیتے حصول مقصد کے لئے وہ 1968ء میں اپنے دو ساتھیوں میر احمد اور چوہدری محمد یاسین کے ہمراہ سری نگر سنٹرل جیل سے فرار ہوگئے۔ پورے کشمیر میں دشمن سامراج کی سخت سیکورٹی انتظامات کے باوجود مقبول بٹ برف سے ڈھکے ہوئے فلک بوس پہاڑوں کو روندتے ہوئے آزاد جموں کشمیر میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی گرفتار ہوکر غیر خواہوں کی "خیر خواہی" کا شکار ہونے کئی ماہ قید و بند میں رہنے کے بعد رہا کئے گئے۔ قید و بند کی زنجیریں بھی ان کے عزم اور حوصلے میں کوئی دراڑ ڈالنے میں ناکام رہیں وہ سری جانب "ایوان" نے بھی ہر دو انہیں سیاسی طور پر نیچا دکھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن کیا عاشق کشمیر تھا کہ اپنوں اور غیروں کے اوچھے ہتھکنڈوں، ریشہ دوانیوں، سازشوں، الزامات اور طعنہ زنی نوش جاں کر کے سامراجی جابر کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سوچیت گڑھ کے مقام پر وطن عزیز کی خاک سے کیا گیا عہد نبھایا۔ بھارتی طیارہ گنگا ہائی جیک کرنے کے بعد صرف چند دن خوشیاں نصیب ہوئیں۔ پورے پاکستان اور آزاد کشمیر میں ہیرو قرار پایا مگر چند ماہ بعد ہی پابند سلاسل ہوئے۔ آج

جدوجہد کا میدان چھوڑنا "ایک کمزوری ہے" جو حق کے علمبرداروں اور باطل پرستوں کو ہی نہیں بلکہ منافقین کو بھی اپنے اصل مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔

بھی شاہی قلعے لاہور کی وہ دیواریں حکومت وقت کے جبروں اور ہتھکنڈوں پر ماتم کناں ہیں۔ کیا جرم تھا بھارتی حکومت کی نظروں میں مقبول بٹ بھارت کے ٹھگ حکمرانوں کی آنکھوں کا کانٹا بنے رہے اور لاہور کے قلعے میں پاکستانی حکمرانوں کے ظلموں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ذرائع ابلاغ کے تعاون سے پورے برصغیر کو اس سے بے خبر رکھا گیا مگر وہ عزم و حوصلے۔۔۔

یہی کہا تھا مری آنکھ دیکھ سکتی ہے
کہ مجھ پہ ٹوٹ پڑا سارا شہر نابینا

یہ تمام ہتھکنڈے ناکام ثابت ہوئے۔ وہ جیل سے نہ چھٹے انہوں نے اپنے نصب العین کے لئے تمام تر جدوجہد کو سیاسی آوارہ گردی سے تعبیر نہ کیا بلکہ دیوانہ وار مادر وطن کی عظمت اور وقار کے لئے سوئی اور کیلی کا پیچھا کرتے رہے اور 1976ء میں رب العزت کی خوشنودی کے لئے تختہ دار پر پھانسیوں کو گوارا بناتے ہوئے اپنے محکوم ہم وطنوں کو اپنی آزادی دینے کے لئے دوبارہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گئے۔ اپنے دو ساتھیوں عبدالحمید بٹ صاحب اور ریاض احمد ڈار صاحب کے ہمراہ کشمیر کے نوجوانوں کو فلسفہ حریت دیتے رہے۔ مستقبل کی راہ تک سخت تقاضہ کرتے رہے اور لنگیٹ (ہندواڑہ) کے مقام پر بے حس عوام کے غضب کا شکار ہوئے۔ پولیس نے گرفتار کر کے جوڈیشل حوالات بھیج دیا منتقل کیا۔ عوام کو اصلیت کا علم ہوا تو ایک ہجوم ہی عوام کا جم غفیر سڑکوں پر جمع ہوا۔ کشمیر کا سیاسی آوارہ گرد حکمران شیخ محمد عبداللہ اپنے کشمیر کی عدالت کے روبرو پیش ہونے اور جرم تسلیم کرنے کی صورت میں کشمیر پولیس کے ڈائریکٹر جنرل جو اس وقت غلام حسن شاہ کو اپنے گرنج کا شکار بنایا اور وہ اس کے جوڈیشل حوالات بھیج دیئے گئے۔ عزم اور حوصلے کے پیکر کے معصوم چہرے پر نظر پڑتے ہی بوکھلاہٹ میں چیخ اٹھے "مقبول۔۔۔ پھانسی کے بعد دوبارہ یہاں؟"۔۔۔ عاشق کشمیر نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔۔۔ "شاہ صاحب آپ کی عمر بھری کمائی آپ کے کندھوں اور بیٹے پر تکی ہے اور میری پھانسی کے بعد میری قوم کی آزادی میری ساری زندگی کی عبادت ہے" چنانچہ اسی لمحہ خون میں لت پت ہمارے قوم کو سری نگر انٹروگیشن منتقل کیا گیا۔۔۔

سرفروش ہے وہ کہ جو سولی چڑھا ہو
اور بوجھ ہے وہ جسم جو بغاوت نہ کرے

کشمیر کے سیاسی آوارہ گرد حکمران، کشمیر کے مجرم شیخ محمد عبداللہ اور کشمیریوں کو رہبر اور رہزن کے فرق سے روشناس کرانے والے ہمارے قوم محمد مقبول بٹ کب ایک ہی شہر میں رہ سکتے

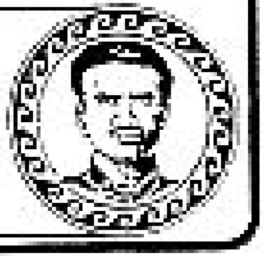

آزادی سے ہمارا مطلب کشمیر کی مقدس دھرتی سے غیر ملکی قبضہ کا خاتمہ ہی نہیں بلکہ بھوک، افلاس، جہالت، بیماری اور معاشی اور سماجی ناہمواریوں کو شکست دینا بھی ہے۔ ہم ایک دن یہ آزادی حاصل کر کے رہیں گے۔

چنانچہ اپنے ماضی کو دہراتے ہوئے اس شریف ادارے اور آئین کشمیر کے تقدس کے تمام وعدوں کو تار تار کر کے قوم کشمیر کے اس عظیم سپوت کو محض سامراجی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے دہلی کے آقاؤں کے حوالے کیا گیا۔۔۔

سر نہ تھا قبر نہ تھی جسم کفن پوش نہ تھا
کس کو معلوم کہ جو سمجھے اب بھی شرمندہ نہ تھا

اگرچہ جموں کشمیر نیشنل کانفرنس کے شیخ خواجہ عبدالحق اور نے ان کی پھانسی کے حکم کے خلاف سپریم کورٹ تک آواز میں رٹ دائر کی اور بھارت کے معروف وکیل کے وکیل پالکی والا اور کشمیر کے ممتاز قانون دان جناب مظفر حسین بیگ صاحب پیروی کے لئے وکیل مقرر کئے گئے۔ مگر بھارتی آئین صرف برہمن سامراج کے تحفظ کے لئے قانون کی شکل اختیار کرتا ہے۔ دوسری جانب لندن میں مقیم چند کشمیری نوجوانوں نے بھارتی سفارتکار رویندرا مہاترے کو اغوا کر کے حکومت ہند سے ہمارے قوم کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ ایسا تو ہوا نہیں البتہ خود مختار کشمیر کے اس معمار کو 11 فروری 1984ء کو دہلی کے تہاڑ جیل میں پھانسی دی گئی۔۔۔

ہوا کی تیغ سے کٹ کر رہا قبادوں کی
تنی ہے بزم سویدا جھکی تو نہیں

ہمارے قوم شہید محمد مقبول بٹ کے عمل مسلسل پر نظر کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے وہ محض ایک فرد کا نام نہیں ہے۔ وہ ایک عاشق اور سپاہی کا نام ہے جو ایک دورے پر محیط ہے کی کوشش میں تھے وہ بظاہر تو دشمن کا معلوم ہوتا ہے مگر تب ارض اور قوم پر حق کی نیک سے دیکھا جائے تو اس میں باطنی ہم آہنگی جھلکتی ہے اس نے ایوانوں اور قبیلوں کی بے رخی کے باوجود اپنی دوستی سے آزادی کا نیا مفہوم رقم کیا۔ الغرض جب بھی حق پر حق نے حضرت صلاح الدین ایوبی کا روپ دھارا تو محمد بن قاسم کو عظمت بنایا اور جب محمد بن قاسم نے اذان دی تو محمد مقبول بٹ نے لبیک کہا اور جب محمد مقبول بٹ نے پھانسی کو چومتے ہوئے اور اپنے وطن عزیز کے اہل کو دکھاتا تو سارا کشمیر مقبول ہی مقبول نظر آیا۔ جنہوں نے بھارتی سامراج کو للکارا۔ انشاء اللہ حق اور جدوجہد کی صداقت اور عزم و استقلال کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ مقبول کی صداقت آج سب پر بھاری ہے۔ آج مقبول کشمیر کا بادشاہ ہے۔ شہر کاہوں، قریے قریے اس کے مداح و سوگوار ہیں اور ان کی جدوجہد اس وقت تک جاری ہے جب تک جدائی ہزار چار سو الاحمر مکمل کشمیر پر مسلط قبول غالب نہ آجائے۔

جدوجہد کا میدان بیچتا ایک کسوٹی ہے جو حق کے علمبرداروں اور باطل پرستوں کو ہی نہیں بلکہ منافقین کو بھی اپنے اصل مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔

مذہب ہماری روح ہے، کشمیریت ہماری پہچان ہے
اور قومی خود مختاری ہماری منزل

Published By:
JAMMU KASHMIR LIBERATION FRONT (JKLF)
HEAD OFFICE:
Lower Plate, Muzaffarabad, Azad Kashmir, Via. Pakistan. Telefax: (058) 2504
SUB-HEAD OFFICE: Srinagar, Kashmir.
PAKISTAN ZONAL OFFICE: B-144, Satellite Town, Murree Road, Rawalpindi. (Pakistan)
Telefax: +92-51-425889
BRITISH ZONAL OFFICE: Kashmir House, 44 Westbourne Rd, Luton Beds, England.
Tele: (0582) 405667 Fax: (0582) 486016